۱۰۸-	کلام حسینی بادشاہ	خواجہ حسن	مابعد ۱۲۵۰ھ	۶۵ شعر	
۱۰۹-	رسالہ تصوف	شمس الدین فیض	"	۱۲	
۱۱۰-	نکات الاسرار	شاہ شاہد حسین	۱۲۶۲ھ	۱۳۵	
۱۱۱-	وصول الحال	"	۱۲۶۶ھ	۱۲۰	
۱۱۲-	تحفۃ العاشقین	عبدالصمد	۱۲۷۲ھ	۱۹۶	
۱۱۳-	فوائد بسم اللہ	سید احمد علی	۱۲۸۴ھ	۱۲۶	
۱۱۴-	میراث شیعان	عبداللہ	"	۲۹	
۱۱۵-	ترجمہ شرح شبستان	خیال رام	۱۲۸۶ھ	۴۲۹	
۱۱۶-	گوہر مقصود	محمد عبدالقادر	۱۲۹۱ھ	۹۷۲	۱۲۹۱ھ
۱۱۷-	مشکوٰۃ الموحدین	عبدالغفور	۱۳۰۵ھ	۴۴	
۱۱۸-	سرالسلوک	میر امداد علی	۱۳۱۰ھ	۳۴	
۱۱۹-	رایحہ الایح	"	مابعد ۱۳۱۰ھ	۸۰	
۱۲۰-	خلقت الرویا	"	۱۲۱۰ھ	۳۴	
۱۲۱-	سبع صفات	شاہ میران جی	۹۰۲ھ	۲۶	
۱۲۲-	رسالہ تصوف	"	مابعد ۱۱۰۰ھ	۵۵	
۱۲۳-	رسالہ تصوف	-	"	۲۹	
۱۲۴-	رسالہ تصوف	-	"	۱۲	

اس فہرست سے واضح ہوگا کہ تصوف کی کتابوں کی ابتدا ۸۲۵ھ کے قبل سے ہوئی ہے۔ اور ۱۳۱۰ھ تک تصنیف کی ہوئی کتابیں کتبخانہ میں موجود ہیں۔

دکن میں خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی گیسو دراز پہلے مصنف قرار دیے گئے ہیں، کتبخانہ ہذا میں آپ کی دو کتابیں ملتی ہیں جن کا آج سے پہلے کسی کو علم نہیں تھا۔ خواجہ صاحب کے بعد دکن کے دوسرے

صوفیا میران جی شمس العشاق۔ شاہ برہان الدین جانم شاہ صدر الدین وغیرہ کے ساتھ گجرات کے صوفیا شاہ علی محمد گام دھنی شاہ خوب محمد چشتی وغیرہ کے تصانیف موجود ہیں۔

تصوف کی کتابوں میں سطحی اور ابتدائی مسائل بھی ہیں اور تفصیلی اور وضاحتی مسائل بھی ملتے ہیں تصوف کے کئی مسائل توحید۔ فنا۔ بقا۔ توکل۔ رضا۔ صبر۔ زہد۔ عشق وغیرہ امور پر مختلف کتابوں میں بحث ہے کسی میں تفصیل ہے کسی میں اجمال۔ کئی رسالے ایسے ہیں جن کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہوتا اور سنہ تصنیف کا صحیح حوالہ نہیں ملتا۔ اس لئے ان کو زبان کی تدریجی ترقی کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے۔

دکن میں صوفیا کے مختلف گروہ یا مختلف خاندانوں نے اصلاح اور ہدایت کا کام کیا ہے ان میں قادریہ۔ چشتیہ۔ سہروردیہ۔ نقشبندیہ سبھی خاندان شامل ہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ابتدا میں کئی طرح کی صوفیا نے ارشاد اور ہدایت کے ساتھ تبلیغ اسلام کا کام کیا اور اپنے حسن اخلاق اور تزکیہ نفس سے غیر مذہب والوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ بعد میں آنے والے صوفیا نے اس کام کو نظر انداز کر کے صرف اپنے مریدوں کے تربیت میں مصروف رہے۔ توحید پر بحث کرنے والوں نے توحید کے مختلف اقسام پر روشنی ڈالی ہے اور صراحت سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

بہر حال اسلامیات پر کام کرنے والوں کے لئے اس کتب خانہ میں خاصا ذخیرہ ملتا ہے۔

اردو میں پہلی عظیم الشان سیاسی لغت

جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات

جس میں بین الاقوامی سیاست سے متعلق ہر چیز کو جمع کر دیا گیا ہے۔ پوری کتاب تقریباً اٹھارہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور تین جلدوں میں منقسم ہے۔ پہلی جلد میں تمام بین الاقوامی شخصیتوں، قوموں اور ملکوں کے حالات کا بیان ہے، دوسری اور تیسری جلد میں بین الاقوامی اداروں کے حالات، معاہدات، تحریکات، ونظریات، سیاسی اصطلاحات، واقعات، محاربات مسائل اور تنازعات کو جمع کر دینے کے علاوہ متفرقات کے عنوان سے بہت سی اہم اور مفید معلومات بھی جمع کر دی گئی ہیں۔

قیمت کامل تین جلد اُنیس ۱۹ روپے

اُردو اور فارسی کی چند کمیاب کتابیں

کتاب خانۂ دانش گاہ دہلی میں

از

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی، یونیورسٹی لائبریری دہلی)

(۶)

مقدمہ سفر نامہ حکیم ناصر خسرو:- از الطاف حسین حالی

مثلاً یہ اقوال کہ وہ مصر، بغداد، گیلان اور بدخشاں جہاں کہیں بھی گیا فوراً منصب وزارت پر فائز کر دیا گیا اور تمام مالی اور ملکی امور پر قابض ہو گیا۔ مگر ان باتوں کو نہ صرف یہ کہ حکیم کا سفر نامہ جھٹلاتا ہے بلکہ یہ زمانے کی عادت کے بھی خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ یا پھر یہ کہ اس نے موکلوں کی تسخیر کر لی تھی اور اُن سے جو کام چاہتا تھا کرا لیتا تھا اور وہ بہزادآں واحد میں ہر کام کی تکمیل کر دیتے تھے یہاں تک کہ ایک بار مریخ آسمان سے اُتر آیا اور اس نے حکیم کے اشارے پر تین سو انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ یا مثلاً اُن کا یہ بیان کہ حکیم مصر سے بغداد میں القادر باللہ کے زمانۂ حکومت میں گیا تھا۔ یہ بیان تاریخی اعتبار سے سراسر غلط ہے کیوں کہ خلیفہ موصوف کی وفات ۴۲۲ھ میں اور ناصر خسرو کی مصر سے مراجعت ۴۴۴ھ میں ہوئی تھی۔

یہ بھی لکھا ہے کہ حکیم نے عراق کی کسی مجلس میں فاریابی سے حشر و نشر کے مسئلہ پر بحث کر کے اسے نیچا دکھایا تھا۔ حالانکہ تاریخ اس واقعہ سے انکار کرتی ہے کیوں کہ پوری تاریخ اسلام میں سوائے ظہیر الدین کے جو قزل ارسلاں[1] کا درباری ثناخواں تھا اور کوئی شخص فاریابی کے لقب سے شہرت نہیں رکھتا۔ اور یہ فاریابی کسی طرح بھی

[1] قزل ارسلاں کی تعریف میں یہ مشہور شعر اسی ظہیر فاریابی کا ہے: (بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

حکیم کا ہم عصر نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس کی وفات حکیم ناصر خسرو کی وفات سے ایک سو ستر (۱۷۰) سال کے بعد واقع ہوئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ فاریابی سے حکیم ابو نصر فارابی مراد ہے تو یہ غلطی اور بھی زیادہ واضح ہو گی کیوں کہ ابو نصر کی رحلت چوتھی صدی کے اوائل میں ہوئی اور ناصر خسرو نے اسی صدی کے اواخر میں خلعتِ ہستی پہنا پھر معاصرت کس طرح ہو سکتی ہے؟ پھر اس سے بھی قطع نظر کیجئے تو ابو نصر کی نسبت فاراب سے ہے، فاریاب سے نہیں!

یا یہ روایت کہ جب ایک روحانی کو ملاحدہ کے بادشاہ نے اُسے ہلاک کرنے کے لئے متعین کیا۔ تو اس کا حال غیر ہونے لگا اور اس نے چاہا کہ کسی بہانے گیلان سے نکل جائے۔ چنانچہ شہزادے سے اجازت طلب کی تاکہ ایک ایسی بُوٹی لے کر آئے جو بادشاہ کے مرض میں فائدہ مند ہو سکتی تھی۔ اور وہ دِمشق کے صحراؤں میں مل سکتی تھی۔ حالاں کہ گیلان اور دِمشق کے درمیان ہزار پانسو انگریزی میل سے کم فاصلہ نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ یہ کہ ملاحدہ کا وجود ایران میں ناصر خسرو کے زمانے تک ہرگز نہیں تھا جیسا کہ اس رسالہ (ندامت نامہ) میں بیان کیا گیا ہے۔ کیوں کہ ایران میں اسماعیلیہ مشرق کی حکومت جو آگے چل کر باطنیہ اور ملاحدہ کے لقب سے مشہور ہوئے ۴۸۳ھ میں قایم ہوئی ہے۔ اور اس وقت ناصر خسرو کی وفات کو تین سال گزر چکے تھے۔ اور ملاحدہ کے نام سے اُن کا تسمیہ چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ہوا ہے۔ اسی قسم کی بہت سی باتیں اس رسالے میں ایسی ہیں جو تحقیق و تاریخ کی نظر میں معمولی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیرِ پائے تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد
اس کے دیوان کی بابت یہ شعر مشہور ہے:۔

دیوانِ ظہیر فاریابی در مکہ بدزد اگر بیابی

لیکن یہ شعر ایک ہجویہ قطعے کا ہے۔ مدح میں نہیں تنقیص میں کہا گیا تھا اس کی تفصیل کے لئے عندلیب شادانی کا مقالہ مشمولہ "تحقیقات" ملاحظہ ہو۔ (نثار احمد فاروقی)

سی وقعت بھی نہیں رکھتیں۔

صاحب دبستان المذاہب اس رسالے کے بارے میں لکھتا ہے کہ بعض جاہلوں نے اس کے ندامت نامہ کو اسماعیلیہ آلموتیہ[1] کی معاشرت کے بارے میں سمجھا ہوا ہے حالانکہ وہ اسماعیلیۂ مغرب کا پیرو ہے اور آلموتیہ سے مصاحبت و موافقت نہ رکھتا تھا۔ یہ سب کچھ خلاصہ ہے ان مندرجات و تراجم کا جو ناصر کے بارے میں اسماعیلیوں سے روایت ہو کر اور تاریخ کی کتابوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔

تفسیر قرآن کریم | غالب گمان یہ ہے کہ حکیم کی وفات کے بعد جب اس کے معتقدوں نے دیکھا کہ فقہائے زمانہ اُسے زندقہ و الحاد سے متّہم کر رہے ہیں اور اسے اچھے الفاظ میں یاد نہیں کرتے تو انھوں نے یہ پا در ہوا، افسانے گھڑ لیے ہوں گے۔ کیوں کہ اکثر باتیں جو ندامت نامہ میں مذکور ہیں، اُس زمانے کے علماء و فقہا کے لگائے ہوئے الزامات سے حکیم کا دامن دھونے کے لئے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور چوں کہ اگلے وقتوں کے لوگوں کی عادت یہ تھی کہ وہ جب کسی کو خدا رسیدہ اور برگزیدہ سمجھ لیتے تھے تو پھر صرف اس کی نیکی، تقویٰ، انصاف اور حق پرستی کے بیان ہی پر قناعت نہ کرتے تھے بلکہ ایسی باتیں بھی اس سے منسوب کر دیتے تھے جو عقل و عادت کے خلاف ہوں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا ایسی کتابوں میں عجیب و غریب افسانے اور بے سر و پا من گھڑت قصے کہانیاں داخل ہو جاتی تھیں لیکن ان تمام کوتاہیوں کے باوجود جو ہم نے بیان کیں، بعض صحیح واقعات و حقائق حکیم کی سیرت کے بارے میں اس کتاب سے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ حکیم نے مذہب اسماعیلیہ کے اصول کے مطابق ایک تفسیر کلام پاک لکھی تھی۔ اگرچہ مذکورہ کتاب سے اس تفسیر کے

---

[1] الموت، خراسان کے ایک قلعے کا نام ہے جہاں سے اسماعیلیۂ مشرق کے تسلط کی ابتدا ہوئی تھی اسی لئے ایران کے اسماعیلیوں کو آلموتیہ کہتے ہیں۔ (الطاف حسین حالی)

لکھنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ ملاحدہ کے قلمرو میں داخل ہوا اور اُن کی گرفت میں آگیا تو ملاحدہ کے بادشاہ نے اس کام کے لئے اُسے مجبور کیا اور انکار کی صورت میں قتل کر دینے کی دھمکی دی۔ چناں چہ اپنی جان اور ایمان کے خوف سے مجبور ہو کر اس نے یہ اِقدام کیا۔ مگر جیسا کہ ہم نے اوپر تذکرہ کیا اس زمانے میں مشرقی علاقے پر ملاحدہ کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے یہ تفسیر اختیار و ارادے کی حالت میں لکھی تھی اضطرار و اکراہ سے نہیں۔ اور یہ مدتوں تک حکیم ناصر خسرو سے منسوب رہی۔ ورنہ کسی شخص کو جو حکیم کو اسماعیلیت کے الزام و اتہام سے بری کرنے کے درپے ہو، کیا ضرورت تھی مذکورہ تفسیر کو اس کی طرف منسوب کر دیتا۔

تاریخِ وفات تاریخ ولادت کی طرح حکیم کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ دولت شاہ سمرقندی کہتا ہے کہ ۴۳۱ھ میں انتقال ہوا۔ لیکن سفرنامہ اس کا بطلان کرتا ہے کیوں کہ اس سال تک تو اُسے سفرِ مغرب بھی پیش نہیں آیا تھا، سفرِ آخرت کا تو سوال ہی نہیں اُٹھتا۔ اور طامس ولیم بیل نے اپنی تالیف مفتاح التواریخ میں ۴۳۱ھ سالِ رحلت لکھا ہے۔ یہ قول بھی قولِ سابق کی طرح قرینِ صحت نہیں ہے۔ کیوں کہ اندریں صورت لازم آتا ہے کہ اس کی عمر ۴۰ سال سے زیادہ نہ سمجھی جائے حالاں کہ اس کے دیوان اشعار میں ایک قصیدہ موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۶۲ سال کی عمر میں لکھا گیا ہے اس کے دو شعر یہ ہیں:

گر تنم از گلشنے دور است من   از دلِ پُر حکمتے در گلشنم
شصت و دو سال است کو بد ہمی   روز و شبان گردون و در ہاونم

صاحب حبیب السیر کہتا ہے کہ ناصر کی عمر صاحب تاریخ گزیدہ کے قول کے مطابق سو سال سے زیادہ ہوئی۔ اور مجمع الفصحا کے مصنف نے ایک سو چالیس (۱۴۰) سال بتائی ہے اور ۵۳۱ھ اس کا سالِ وفات تسلیم کیا ہے۔ نیز یہ کہ اس نے

شیخ الرئیس اور ابو نصر سے ملاقات اور تبادلۂ خیالات کیا۔ مگر یہ باتیں حقیقت سے کوسوں دور اور صحت وصداقت سے عاری ہیں۔ صحیح ترین قول وہ ہے جو حاجی خلیفہ نے تقویم التواریخ میں لکھا ہے یعنی ۴۸۱ھ۔ اس کتاب سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ حکیم ناصر خسرو اور ہمارے جدِ اعلیٰ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری ہروی کی وفات ایک ہی سال میں واقع ہوئی۔ اس لحاظ سے حکیم کی عمر ستاسی سال برآمد ہوتی ہے۔

تصانیف حکیم کی تصنیفات میں ایک روشنائی نامہ منظوم اور نثر میں کنز الحقایق مشہور ہیں لیکن ہمارا خیال ہے کہ ان کے علاوہ بھی نظم ونثر میں ان کی بہت سی تصانیف ہوں گی جن میں ایک کتاب لندامہ فی زاد القیامۃ عربی زبان میں ہے جس کا تذکرہ چارلس شیفر نے اپنے ترجمہ میں کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ:

ناصر خسرو دراین کتاب اظہار ندامت وانفعال از زلات وخطایائے خود کردہ است ودربادی النظر چناں می نماید کہ بنیاد آں بر خیالات بحث وافکار لاطائل است اما اگر بغور دیدہ شود بعضے افادات جلیلہ واقعیہ نیز ازاں استنباط می تواں کرد ومیر تقی کاشی آں را از تازی بفارسی ترجمہ کردہ است"	اس کتاب میں ناصر خسرو نے اپنی بعض لغزشوں اور غلطیوں پر پشیمانی اور ندامت کا اظہار کیا ہے اگرچہ نظر بظاہر یہ کتاب نرے خیالات اور بادہوائی افکار کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے لیکن گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو بعض بہت کام کی باتیں اور واقعات اس سے اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ عربی سے اس کتاب کا فارسی زبان میں ترجمہ میر تقی کاشی نے کر دیا ہے

صاحب سُلّم السموات نے اس کی کتابوں میں ایک کتاب سعادت نامہ بھی بتائی ہے مگر اس کتاب کا کچھ حال نہیں لکھا۔ اور اس رسالے میں بھی جس کے مشمولات کی تردید ہم نے صفحاتِ ماسبق میں کی ہے حکیم کی طرف متعدد تصانیف منسوب کی گئی ہیں مثلاً کتاب مستوفی فقہ میں، زاد المسافرین معقولات میں، اور قانون اعظم ودستور الاعظم اور

تفسیر قرآن مجید وغیرہ۔ اگرچہ اس رسالے کی باتیں قطعاً قابلِ اعتماد نہیں لیکن اس سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لوگ ان کتابوں کو حکیم کی تصانیف سمجھتے تھے ورنہ ایسی چیز کی نسبت جو خارجی وجود نہ رکھتی ہو، اُس شخص سے نہیں کی جا سکتی تھی جس سے علما منکر ہوں۔ حکیم نے خود بھی اپنے بعض اشعار میں اپنی کتابوں کا فخریہ تذکرہ کیا ہے:

زتصنیفاتِ من زاد المسافر — کہ معقولات را اصل ست وقانون

اگر بر خاکِ افلاطوں بخوانند — ثنا خواند مرا خاکِ فلاطوں

سفرنامہ کی اہمیت| حکیم کے دوسرے افادات میں ایک یہی سفرنامہ ہے[1] جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی جتنی بھی توصیف و تعریف کی جائے کم ہے۔ الفاظ کی سادگی اور بیان کی دل کشی جو اس سفرنامے میں پائی جاتی ہے وہ اس پر شاہد ہے کہ بے مزہ صنائع اور دور از کار مبالغے جو بعد کو ایران کی زبان و بیان کا جزو اعظم بن گئے پانچویں صدی ہجری تک رائج نہ تھے۔ حکیم نے پورے سفرنامے میں بہت ہی کم کوئی بات عقل و عادت کے خلاف لکھی ہے اگر اس قبیل کی کوئی بات سنی ہے تو ضرورت اور مجبوری ہی میں اُسے نقل کیا ہے۔ اور جھوٹ کی ذمہ داری راوی کی گردن پر ڈال دی ہے۔ وادیٔ جہنم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے جو فلسطین میں واقع ہے کہ:

مردم عوام چنیں گویند، ہر کس بسرِ — عوام یہ کہتے ہیں جو کوئی اس وادی میں جاتا ہے

آں وادی شود آواز دوزخیاں شنود — دوزخیوں کی آوازیں سنتا ہے جو وہاں سے نکلتی

---

[1] جس پر حالی کا مقدمہ ان اوراق میں آپ پڑھ رہے ہیں۔ اس سفرنامے کی مختصر کیفیت پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ اصل متن سب سے پہلے چارلس شیفر نے (مع ترجمہ) پیرس سے شائع کیا تھا پھر ۱۸۸۲ء میں حالی نے اپنے مندرجہ بالا مقدمے کے ساتھ شائع کیا۔ بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ انجمن ترقی اردو ہند نے مولوی عبدالرزاق کانپوری مصنف البرامکہ و نظام الملک طوسی سے کرا کر شائع کیا تھا۔ حالی کے مقدمے کا ترجمہ شیخ اسماعیل پانی پتی نے ۱۹۴۰ء میں رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور میں باقساط چھپوایا تھا۔ یہ بات رسالہ صحیفہ لاہور (دسمبر ۱۹۵۸ء) کے ذریعے معلوم ہوئی لیکن مقالہ نگار نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس رسالے کے فائل اب تلاش کرنے سے بھی نہیں ملے۔ اس طرح گویا یہ مفید مقدمہ دوسری بار ترجمہ ہو کر ناظرین کے سامنے پیش ہو رہا ہے۔ (نثار احمد فاروقی)

کہ صدا ازاں جا بر می آید من آں جا شدم اما چیزے نشنیدم"

ہیں، میں بھی وہاں گیا، مگر کچھ سنائی نہ دیا۔

اور سفرنامے کے آخر میں صراحت کے ساتھ لکھتا ہے کہ:

"ایں سرگذشت آں چہ دیدہ بودم براستی شرح دادم و بعضے کہ بروایت شنیدم اگر دراں جا خلافے باشد خوانندگان ازیں ضعیف نداانند و مواخذات و نکوہش نکنند"

میں نے جو کچھ دیکھا اس کی روداد یہاں تفصیل سے لکھ دی ہے اور بعض باتیں میں نے سنی ہیں اگر کسی کو اُن میں غلطی نظر آئے تو میری طرف سے نہ سمجھیں اور مجھے مواخذہ و نکوہش کا سزاوار نہ گردانیں۔

اگرچہ ہر واقعہ پر مورخ کی حیثیت سے نظر کرنا اُس کے اسباب و نتائج کی چھان بین اور مشاہدات میں سے صحیح باتوں کا انتخاب اور غیر ضروری چیزوں کا ترک کر دینا یا ہر ملک کے باشندوں کی رسوم و رواج اور خصائص و خصائل پر محققانہ انداز میں روشنی ڈالنا، یہ سب باتیں اگر یورپ کے موجودہ روزناموں کے معیار سے دیکھا جائے تو اس سفرنامے میں کمتر ملیں گی لیکن جس عہد میں یہ روزنامچہ لکھا گیا تھا لوگوں کا علم بہت ہی تنگ دائرے میں محدود تھا اور ان کو ایسے وسائل حاصل نہیں تھے کہ ہر معاملے میں اپنی رائے ظاہر کر سکیں واقعات کی صحیح چھان بین کریں اور جو کچھ مشاہدہ ہو اس کے اسباب و نتائج کا سراغ لگا سکیں۔ اس لئے جو کچھ حکیم ناصر خسرو کے قلم نے لکھا ہے اس سے زیادہ اور بہتر طرزِ تحریر کا تصوّر بھی اُس دور میں نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ ابھی تک فارسی زبان میں اس نوعیت کی واقعہ نگاری اور مشاہدات کی تصویر کشی ہرگز دیکھنے میں نہیں آئی۔

حکیم کی دوسری تصانیف کی طرح یہ سفرنامہ بھی اس ملک میں ناپید تھا اور اس کا کوئی نسخہ[1] جناب مستطاب نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر دہلوی رئیس لوہارو کے

---

[1] یہ نسخہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے عہدِ حکومت میں لکھا گیا اور مدتوں تک خان اعظم مرزا عزیز

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)